جوش ملیح آبادی

کے

مرثیے

ضمیر اختر نقوی

(جملہ حقوق محفوظ ہیں)

اشاعت :- ۱۹۸۰ء

طباعت :- عالمگیر پیکجز - ناظم آباد ۲/۲ ، کراچی ، فون نمبر ۶۱۲۵۶۷

کتابت :- ناصر حسین

سرورق :- ناصر حسین

قیمت :- ۲۵ رُوپے

=: ملنے کے پتے :=

۴ - ایچ رضویہ سوسائٹی کراچی نمبر ۱۸

دبستانِ انیس - ۵۱۳/ڈی سٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی

مسعود رضا خاکی ۱۵/۸۸ — کرشن نگر — لاہور

ادارۂ فیضِ ادب ۵۰ سی ۵/۱ ناظم آباد کراچی۔
فون نمبر ۶۱۳۴۰۷

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

جوش ملیح آبادی کے مرثیے

ترتیب ، مقدمہ ، فرہنگ

ضمیر اختر نقوی

ادارۂ فیضِ ادب ، ۵ - سی ۵/۱ ناظم آباد کراچی
فون نمبر ۶۱۳۴۰۷

مرثیہ ۶

"عظمتِ انساں"

اے قلم، چوبِ خضر، حبلِ متینِ ارشاد

بند، ۸۸

تصنیف ————

فروغِ داغِ جگر مہر و ماہ پا نہ سکے
وہ عشق ہی نہیں کونین پر جو چھا نہ سکے
خلیلؑ نے بھی نہ پایا عروجِ عزمِ حسینؑ
بنایا کعبہ مگر کربلا بنا نہ سکے

۱
اے قلم، چوبِ خضر، حبلِ متینِ ارشاد — شانۂ گیسوئے خم دارِ عروسِ ایجاد
قُلزمِ وقت میں توزمزمۂ بادِ مُراد — تیری تاریخ میں بیتی ہوئی صدیاں آباد

کرۂ خاک صدانوار وصد آثار کے ساتھ
رقص میں ہے تری پازیب کی جھنکار کے ساتھ

۲
دونوں عالم کو اٹھائے ہوئے شانے تیرے — بربطِ گیتی وگردوں میں ترانے تیرے
جسقدر بھی ہیں زمانے وہ زمانے تیرے — تُندرَو وقت کے دھاروں میں فسانے تیرے

دَورِ پارینہ کہ ہے موت کے ایوانوں میں
سانس لیتا ہے ترے زندہ کتب خانوں میں

۳
تو، بصد ناز جدھر سے بھی گذر جاتا ہے — جادۂ زیست کا ہر ذرّہ سنور جاتا ہے
تو، مہ وسال کی یورش سے نِکھر جاتا ہے — ضربتِ وقت سے کچھ اور اُبھر جاتا ہے

توڑ دیتی ہے چٹانوں کو روانی تیری
رس پہ آتی ہے بڑھاپے میں جوانی تیری

۴
نوک تیری جگرِ کوہ کو برماتی ہے — نازنینوں کے کلیجوں میں اُتر جاتی ہے
تیری گھنگھور گھٹا دل پہ جو چھاجاتی ہے — دونوں عالم کے برسنے کی صدا آتی ہے

تیری بوچھار میں ڈھلتے ہیں ترانے کیا کیا
مست رِم جھم میں کھنکتے ہیں فسانے کیا کیا

۵
تیرے سجدے میں ثریا کی بلندی غلطاں — تیرے لفظوں میں دو صد شمس و قمر زمزمہ خواں
تیری گفتار سے برنائیِ ذہنِ انساں — تیری رفتار سے رقصاں ہے نگارِ دوراں

تیری چوکھٹ پہ جبینیں ہیں جہاں داروں کی
سانس رُکتی ہے ترے نام سے تلواروں کی

۶
تیرا پرچم علم و چتر و عصا پر بھاری — اک اک حرف ترا ارض و سما پر بھاری
تیرا اک عشوہ دو عالم کی ادا پر بھاری — روشنائی تری خونِ شہدا پر بھاری

جس میں عنصر ہے ابد کا وہ ہنر ہے تجھ میں
دولتِ عمرِ مسیحا و خضر ہے تجھ میں

۷
تو خزف کو قمر و لعل و گہر دیتا ہے — شبِ لب تشنہ کو گل بانگِ سحر دیتا ہے
موجِ تخیل کو لفظوں میں کتر دیتا ہے — رُوح کاغذ کے مسامات میں بھر دیتا ہے

خامشی کو ہمہ تن ساز بنا دیتا ہے
تو خیالات کو آواز بنا دیتا ہے

۸
تیری ٹھوکر پہ سرِ قیصر و تاجِ فغفور — تیری مطربِ حرکت لرزشِ مژگانِ شعور
تیرے آغوش میں آبِ خضر و آتشِ طور — تیرے سینے میں شبِ قدر و نمِ صبحِ ظہور

معتبر ہے جو گواہی سو گواہی تیری
صبحِ صادق کا سپیدہ ہے سیاہی تیری

۹
تو اک سطر میں تو شہر بسا دیتا ہے — طاقِ الفاظ میں قندیل جلا دیتا ہے
گُنگناتا ہے تو کاغذ کو بجا دیتا ہے — فکر سی چیز کو آنکھوں سے دکھا دیتا ہے

جب تجھے معرضِ رفتار میں لے آتے ہیں
کتنے بُت ہیں کہ ترشتے ہی چلے جاتے ہیں

اے قلم مسئلہ میزا
فکر پیما و نظر ناق
اے قلم نور فشا
حیف اس دورِ جو
آدمی، دولتِ
آدمی وارثِ
فاتحِ مملکتِ
شاعر و مطر
آدمی حسنِ شہ
نغمہ جوئے جم

(۱۰)
اے قلم مسندِ میزان و معارف مقیاس — علم بنیاد و ہنر محور و ادراک اساس
فکر پیما و نظر ناقد و فرہنگ شناس — مشعلِ قصرِ ادب، مشرقِ صبحِ قرطاس
نام تیرا سببِ جنبشِ لب ہائے رسولؐ
اے قلم موت کے لمحے کی تمنّائے رسولؐ

(۱۱)
اے قلم نور فشاں ہو کہ دمک جائے زمیں — ظلمتِ وہم میں ضو بار ہو خورشیدِ یقیں
حیف اس دورِ جواں پر کہ بہ ایں عقل مبیں — آدمی کی عظمت کا اسے اندازہ نہیں
حسنِ ارضی پہ سماوات کو شیدا کر دے
آدمی کیا ہے یہ دنیا پہ ہویدا کر دے

(۱۲)
آدمی، دولتِ دارین و متاعِ دوراں — آدمی نغمۂ داؤد و جمالِ کنعاں
آدمی وارثِ کونین و رئیسِ دو جہاں — آدمی بربطِ محرابِ جہانِ گذراں
دور میں نازشِ آفاق کا جام آتا ہے
لبِ گیتی پہ جب انسان کا نام آتا ہے

(۱۳)
فاتحِ مملکتِ باطن و ظاہر انساں — خسروِ انجم و دارائے جواہر انساں
شاعر و مطرب و بت ساز و مصوّر انساں — موجد و مصلح و مولا و مفکر انساں
دیدۂ ارض و سماوات کا تارا انساں
قلزمِ وقت کا مڑتا ہوا دھارا انساں

(۱۴)
آدمی حسنِ شفق، نورِ سحر، بانگِ ہزار — بوئے گل، رنگِ حنا، موجِ صبا، رقصِ شرار
نغمۂ جوئے چمن، زمزمۂ ابرِ بہار — عشوۂ موسمِ گل، نازِ ہوائے کہسار
دستِ کونین میں سرشار کٹورا انساں
نرگسِ لیلیِ ایجاد کا ڈورا انساں

اِس کی آواز جلاتی ہے سُروں کی مشعل ۱۵ اس کی رفتار بجاتی ہے زمیں کی چھاگل
اِس کُرّے میں کہ عناصر ہیں جہاں گرمِ عمل معتبر اک فقط انسان ہے باقی مہمل

اس کے نغموں ہی سے فردوسِ عمل ہے دنیا
ورنہ اک واہمۂ لات و ہبل ہے دنیا

عشوۂ زہرہ جبیناں ہے اسی کے دم سے ۱۶ خاک، رقصاں وغزل خواں ہے اسی کے دم سے
دَور میں جامِ بہاراں ہے اسی کے دم سے مستیِ گردشِ دوراں ہے اسی کے دم سے

خیمۂ جشنِ شبستان میں سویرا ہو جائے
یہ جو اُٹھ جائے تو دنیا میں اندھیرا ہو جائے

کرۂ خاک ہے مدہوش، فضا خواب میں ہے ۱۷ ظلمت آلودۂ غفلت ہے، ضیا خواب میں ہے
شبِ تار و سحر لالہ قبا خواب میں ہے نجم میں خورشید و قمر، ارض و سما خواب میں ہے

عقدہ ہے کون و مکاں، عقدہ کشا ہے انساں
اس سناپے میں فقط جاگ رہا ہے انساں

اسکی تخیّل کے حلقے میں جناں رقصاں ہے ۱۸ نغمہ بر لب ہے مکاں، دَورِ زماں رقصاں ہے
شرمگیں لیلیِ اسرارِ نہاں رقصاں ہے اسکی انگنائی میں روحِ دو جہاں رقصاں ہے

یہ رئیسِ قمری ہے یہ امامِ شمسی
اسکے انفاس پہ تُلتا ہے نظامِ شمسی

آدمی فاتحِ مستقبل امراض و اجل ۱۹ آدمی عربدۂ آخر و نازِ اوّل
صاحبِ قوس و ہلال و شفق و ابر و جبَل آمرِ مہر و مہ و زہرہ و ناہید و زحل

شرف کعبہ و اعزازِ کلیسا انساں
زندگی محملِ رقصندہ ہے لیلیٰ انساں

۲۰
اسکی محراب میں غلطیدہ فرشتوں کا درود — اسکی سرکار میں جبریلِ امیں سر بہ سجود
اسکے انکار کی پاداش میں شیطاں مردود — اسکا جنّت سے ہبوط اصل میں ہیجانِ صعُود

خلد کو تج کے تھِرکتی ہوئی جنّت پائی
خاک کی گود میں آیا تو خلافت پائی

۲۱
یہ شبِ ماہ کی جگ مگ، یہ سحر کا گل زار — شب نم گل پہ یہ نوخیز شعاعوں کا نکھار
رقص کرتی ہوئی تتلی پہ یہ رنگوں کی پھوار — آدمی کی فقط اک موجِ تبسّم پہ نثار

لیلیِ نغمۂ کن کا خم و چم ہے انساں
جس کی جھولی میں صمد ہے وہ صنم ہے انساں

۲۲
نرم آنچوں پہ مہ و سال نے سینکا ہے اسے — چاندنی نے طبقِ سیم میں گوندھا ہے اسے
سرخ تیشوں سے شعاعوں نے تراشا ہے اسے — چھینیاں وقت کی ٹوٹی ہیں تو کھرچا ہے اسے

جوبن اپنا مہ و خورشید نے جب گھالا ہے
تب کہیں نور کے سانچے میں اسے ڈھالا ہے

۲۳
مدتوں دایۂ فطرت نے کھلایا ہے اسے — دودھ صدیوں نے لگاتار پلایا ہے اسے
کتنے بپھرے ہوئے دھاروں نے ترایا ہے اسے — کتنی صبحوں کے تسلسل نے جگایا ہے اسے

کتنے قرنوں کی مشقت نے اجالا ہے اسے
خون تھوکا ہے عناصر نے تو پالا ہے اسے

۲۴
ظلمت و نور، گل و خار، سرود و غوغا — آب و آتش، خزف و برگ، سراب و دریا
پا بہ گل کوہ، رواں نہر، پرافشاں صحرا — چمپئی دھوپ، سیہ ابر، گلابی جاڑا

ان سب اضداد نے مِل جل کے سنوارا ہے اسے
خاک نے کتنے جتن کر کے نکھارا ہے اسے

۲۵

اسکو جھولے میں جھلایا ہے صبا نے برسوں — لوریاں دی ہیں سمندر کی ہوا نے برسوں
اسکو پروان چڑھایا ہے فضا نے برسوں — اسکو چوما ہے لبِ ارض و سما نے برسوں

خاک گرداں کی پسینے سے نسیں بھیگی ہیں
تب کہیں خیر سے انساں کی مسیں بھیگی ہیں

۲۶

اسکے انفاس سے رخسارِ تمدن پہ شباب — اس کی آواز سے گلزارِ ترنم شاداب
اسکے ادراک کی چٹکی میں دو عالم کی نقاب — اسکی پلکوں کی جھپک ارض و سما کی مضراب

خاک پر زمزمۂ نہرِ جناں ہے انساں
ذہن لیلئ عالم میں زباں ہے انساں

۲۷

مرغزار و چمن و وادی و کوہ و صحرا — سبزہ و شبنم و ریحان و گل و سرو، و صبا
ذرہ و اختر و مہر و مہ و دشت و دریا — سب یہ گونگے ہیں اٹھائے ازلی سناٹا

گرہِ ارض و سما کھول رہا ہے انساں
اس خموشی میں فقط بول رہا ہے انساں

۲۸

آدمی صاحبِ گیتا و زبور و قرآں — کفر ہے اسکی صباحت تو ملاحت ایماں
بانئ دیر و حرم، واضعِ ناقوس و اذاں — خالقِ اہرمن و وجہِ حرفِ یزداں

یہ جو عیب و ہنر و زشتی و زیبائی ہے
فقط انساں کی ٹوٹی ہوئی انگڑائی ہے

۲۹

دوزخِ دہر میں گلزارِ جناں ہے انساں — حلقۂ زلف و خمِ آبِ رواں ہے انساں
جنبشِ نبضِ مکاں، روحِ زماں ہے انساں — خاک ہے تاج محل، شاہجہاں ہے انساں

حاکمِ کون و مکاں، ناظمِ دوراں انساں
خاک اک رحلِ سبک سیر ہے قرآں انساں

اسکے انفاس سے خوشبو میں روانی آئی (۳۰) خامشی کو روشِ زمزمہ خوانی آئی
آگ درشن کو لئے، تھال میں پانی آئی اس نے دیکھا تو زلیخا پہ جوانی آئی

اسکی آواز نے درہائے ادا کھول دیئے
طور سے بن نہ پڑا بندِ قبا کھول دیئے

آدمی، حافظ و خیام و انیس و عرفی (۳۱) غالب و مومن و فردوسی و میر و سعدی
خسرو، و رومی و عطار و جنید و شبلی یونسؑ و یوسفؑ و یعقوبؑ و سلیمانؑ و علیؑ

خطبۂ حضرتِ خلاق کا منبر انساں
انتہا یہ کہ محمدؐ سا پیمبر انساں

آپ کہتے ہیں کہ اللہ کو بندے پہچان (۳۲) اور بیگانہ ہے انساں سے ابتک انسان
اس جہالت میں کہاں علم خدا کا امکان شرطِ اوّل ہے کہ حاصل ہو بشر کا عرفان

ذکر ابھی آپ نہ اللہ کا للہ کریں
فقط انسان سے انسان کو آگاہ کریں

ذہن جس وقت کہ ہو جائیگا انسان آگاہ (۳۳) تو نکل آیئگا خود پردۂ انساں سے الٰہ
وحدتِ انفس و آفاق کو پالے گی نگاہ اور شریعت یہ بنے گی کہ تکبّر ہے گناہ

شور ہوگا نہ رہے کوئی وفا کا دشمن
بے شک انسان کا دشمن ہے خدا کا دشمن

دوست اپنا ہے تو انسان کے دامن کو نہ چھوڑ (۳۴) ہاں اے حبلِ متیں کی طرف ادراک کو موڑ
دل تو دل ہے کسی پتھر کو بھی جھلا کے نہ توڑ کہ یہ انداز ہے اللہ کی وحدت کا نچوڑ

گو قباحت ہے بڑی کافر یزداں ہونا
اس سے بدتر ہے مگر کافرِ انساں ہونا

۳۵

پھر تو کھل جائیگی یہ بات کہ بے حُبِّ امام
دل ہے بے سوز تو مہمل ہیں طواف و احرام

نہ ولایت ، نہ امامت ، نہ رسالت ، نہ پیام
سب سے بہتر عملِ خیر ہے تیمارِ عوام

ان کو سرکارِ دو عالم کے پیام آتے ہیں
جو بُرے وقت میں انسان کے کام آتے ہیں

۳۶

بات تو جب ہے کسی فرد سے وحشت نہ رہے
دل ہو یوں صاف کہ امکانِ کدورت نہ رہے

دوست تو دوست ہے دشمن سے بھی نفرت نہ رہے
عقل کی ہے یہ نجابت کہ عداوت نہ رہے

شہرِ وحدت میں نبردِ حرم و دیر نہیں
صحتِ فکر اگر ہے تو کوئی غیر نہیں

۳۷

اپنے یاروں کی محبت ہے مزاجِ انساں
دل سے تھا شمر بھی اپنے رفقا پر قرباں

آپ بھی اپنے رفیقوں پہ ہیں گوہر افشاں
آپ اور شمر ہیں اس سطح پہ بالکل یکساں

ہاں جو دل میں چمنِ حبِّ عدو کھل جائے
آپ کو سطحِ حسینؑ ابن علیؑ مل جائے

۳۸

کفر بھی راہِ محبت میں ہے عینِ اسلام
جو کسی قلب پہ جڑتا ہے نگینِ اکرام

عنصرِ بغض ہو دل میں تو عبادت بھی حرام
کندہ ہوتا ہے درِ عرش پہ اس شخص کا نام

جب کوئی غیر کو پیغامِ اماں دیتا ہے
اُٹھ کے ہر ذرۂ آفاق اذاں دیتا ہے

۳۹

کپکپاتی ہے جسے آہِ اسیرانِ بلا
جسکے اعصاب کو ڈستا ہے رخِ زردِ گدا

جس کے سینے میں دھڑکتی ہے صدائے فقراء
جس کی شہ رگ میں کھٹکتی ہے نگاہِ غرباء

تذکرے اس کے فرشتوں میں ہوا کرتے ہیں
انبیاء اس کی زیارت کی دُعا کرتے ہیں

۴۰
تلخ کاموں کو پلاتا ہے جو آبِ شیریں — بخشتا ہے کسی مضطر کو جو کیفِ تمکیں
عمر بھر خدمتِ انساں سے جو تھکتا ہی نہیں — اس کی سرکار میں خود عرش جھکاتا ہے جبیں

اپنے زانو پہ جو دُکھیوں کو سُلا لیتا ہے
اس کو اللہ کلیجے سے لگا لیتا ہے

۴۱
جسکی ہر سانس ہو اک ولولۂ خیرِ انام — نیند جسکی ہو غریبوں کی محبت میں حرام
جادۂ خدمتِ انساں پہ جو ہو گرم خرام — اس الوُہی بشریت پہ درود اور سلام

حاملِ اوجِ الوُہیتِ انساں تھے حسینؑ
ہاں اسی جادۂ خدمت پہ خراماں تھے حسینؑ

۴۲
قافلے دھوپ میں جس وقت کہ چکراتے تھے — ہائے کیا دل تھا انھیں چھاؤں میں لے آتے تھے
داد، احسان کی ملتی تھی تو شرماتے تھے — تشنہ لب دیکھ کے دشمن کو تڑپ جاتے تھے

دشتِ بے آب میں کوثر کی روانی تھے حسینؑ
کشتِ انساں پہ برستا ہوا پانی تھے حسینؑ

۴۳
چشمۂ بذل و سخا، دجلۂ جُود و احساں — مصلحِ وضعِ جہاں، عزتِ نوعِ انساں
لنگرِ کشتیِ حق، ناشرِ حکمِ یزداں — خادمِ خستہ دلاں، ہادمِ قصرِ سلطاں

خاورِ صدق و صفا، داورِ ایثار حسینؑ
کل جہاں قافلہ و قافلہ سالار حسینؑ

۴۴
چشمِ نم ناک میں تھا پر تو روتے بے شیر — سانس لیتے تھے تو چبھتا تھا جگر میں اِک تیر
برقِ جوّالہ کی تھی موجِ ہوا میں تاثیر — اور اس نقطۂ حدّت پہ کھڑے تھے شبیرؑ

کہ جہاں دھوپ کچھ اس طور سے برساتی ہے
سینۂ برف سے بھی آنچ نکل آتی ہے

۴۵
پھر بھی ماتھے کا پسینہ جو گرا دیتے تھے — پل میں دہکے ہوئے سورج کو بجھا دیتے تھے
چاندنی دھوپ کے آنگن میں کھلا دیتے تھے — تو پہ رکھتے تھے قدم پھول بنا دیتے تھے

رُخ پہ اک آنچ سی جب پیاس میں لہراتی تھی
جھرجھری کوثر و تسنیم کو آ جاتی تھی

۴۶
اتنی حدّت میں بھی آہنگِ نیستان تھے حسینؑ — آب و رنگِ چمن و ابرِ بہاراں تھے حسینؑ
کشتِ آئینِ رسالت کے نگہباں تھے حسینؑ — فرق سے تا بہ قدم موسمِ باراں تھے حسینؑ

جھوم کر چرخ پہ قبلے سے گھٹا آتی تھی
بات کرتے تھے تو جنّت کی ہوا آتی تھی

۴۷
بزمِ اجمال میں تفسیرِ مفصّل تھے حسینؑ — طاعتِ متّصل و حمدِ مُسلسل تھے حسینؑ
شاہدِ گل بدن حجلۂ مقتل تھے حسینؑ — ہادیِ پختہ و انسانِ مکمل تھے حسینؑ

سایۂ تیغ میں بھی درسِ وفا دیتے تھے
انتہا یہ ہے کہ قاتل کو دُعا دیتے تھے

۴۸
مصرِ مقتل میں جوابِ مہِ کنعاں تھے حسینؑ — طرفہ اک زمزمۂ نوحہ بداماں تھے حسینؑ
صبحِ افسردگیِ شامِ غریباں تھے حسینؑ — کوثرِ تشنہ دہاں، خندۂ گریاں تھے حسینؑ

دشتِ فریاد میں گل بانگِ ترنّم تھے حسینؑ
لیلیٰ آہ کے ہونٹوں کا تبسّم تھے حسینؑ

۴۹
نازشِ نوعِ بشر، فخرِ ابو وجد تھے حسینؑ — مفرد و مستند و اشرف و امجد تھے حسینؑ
سجدہ کرتا تھا جدھر کعبہ وہ معبد تھے حسینؑ — نقطۂ پختگیِ فکرِ محمدؐ تھے حسینؑ

یہ نہ ہوتے تو یقیں صید گماں ہو جاتا
آخری شعلۂ پیغام دھواں ہو جاتا

جگرِ ختمِ رسل، جانِ علیؑ، شمعِ بتولؑ   ۵۰   خاورِ جود و کرم، داورِ اقدار و اصول
موت کو گردِ قدم مل نہ سکی وہ مقتول   خاتمِ حق کے نگیں، دینِ شہادت کے رسول

مثلِ شبیرؑ جنہیں پاسِ وفا ہوتا ہے
ایسے بندوں ہی کے پردے میں خدا ہوتا ہے

بہرِ شادابی و رنگینیِ گل زارِ امام   ۵۱   طاقِ حجت میں جلانے کو چراغِ اتمام
اس تمنا میں کہ ڈس لیں نہ یقیں کو اوہام   خیمۂ پاک سے جس وقت کہ نکلے تھے امام

میرِ آفاق بہ صد زینت و زین آتے ہیں
دُور تک شور بپا تھا کہ حسینؑ آتے ہیں

آپ کیا آئے کہ پیغامِ بہاراں آیا   ۵۲   دشتِ پُرخار میں زہراؑ کا گلستاں آیا
مُردہ ذرّوں کی طرف چشمۂ حیواں آیا   افقِ مصر پہ گویا مہِ کنعاں آیا

سورمارن میں بہ صد شانِ تفاخر آئے
جن کی عادت ہے شہادت وہ بہادر آئے

آپ کیا آئے کہ میدان بنا باغِ نعیم   ۵۳   آئی ہر سمت سے پھولوں کی شمیم
جھک گئے انفس و آفاق برائے تسلیم   اپنے سینے سے لگانے کو بڑھے ابراہیم

ہاتھ پھیلائے ہوئے بادِ بہاری آئی
جھوم اُٹھے خار کہ پھولوں کی سواری آئی

بزمِ ارواح میں پہنچی جو حسینی آواز   ۵۴   تو زمیں پر اتر آئے جو نبیؐ تھے ممتاز
مصطفےؐ جھک گئے سجدے میں بہ افراطِ گداز   فاطمہؑ نے یہ صدا دی کہ تری عمر دراز

ہل گیا عرشِ معلّیٰ وہ تلاطم آیا
لبِ قدرت پہ اک افسردہ تبسم آیا

۵۵

اللہ اللہ وہ میداں میں تقریرِ امام — نرم لہجے میں کھنکتے ہوئے فردوس کے جام
یوں مرتب تھا لبِ خشک پہ شاداب کلام — جادۂ وحی پہ جس طرح نبوت کا خرام

بات میں لہر بہ ایں تشنہ لبی آتی تھی
بوئے انفاسِ رسولِؐ عربی آتی تھی

۵۶

ذہن بہرے تھے خطابت نہ ہوئی بارآور — رس کی بوندوں کو بھلا جذب کرے کیا پتھر
طبل پر چوٹ پڑی دشت ہوا زیروزبر — باندھ لی آلِ محمدؐ نے بھی مرنے پہ کمر

پھر تو اک برقِ تپاں جانبِ اشرار چلی
نہ چلی بات تو پھر دھوم سے تلوار چلی

۵۷

رن میں ہر چند کہ تھا دبدبۂ قیصر و جم — لشکر و دمدمہ و طنطنہ و رعب و حشم
دشنہ و خنجر و تیر و تبر و تیغ و علم — لڑکھڑائے نہ محمدؐ کے نواسے کے قدم

سرِ اشرار سے میدانِ دغا پاٹ دیا
تیغِ بُرّاں کا رگِ جاں سے گلا کاٹ دیا

۵۸

یوں چلی کشتیِ قلزم شکن تشنہ لباں — تھم گیا شورِ ہوا، رک گئی نبضِ طوفاں
انکسارِ دلِ شبیرؑ نے زہ کی جو کماں — ہاتھ بھر منہ سے نکل آئی تکبر کی زباں

پشتۂ دجلۂ طغیانِ ستم ٹوٹ گیا
ناؤ ٹکرائی تو گرداب کا دم ٹوٹ گیا

۵۹

تاج نے آلِ محمدؐ پہ جو روکا پانی — پیاس کے ابر سے یوں ٹوٹ کے برسا پانی
بے دھڑک قصرِ حکومت میں در آیا پانی — ہو گیا سر سے شہنشاہ کے اونچا پانی

تاج داری مع اورنگ و نگیں ڈوب گئی
آسماں سے جو لڑی تھی وہ زمیں ڈوب گئی

۶۰
جوئے خوں میں جو دلیروں کے سفینے آئے — چند پیاسے جو لہو موت کا پینے آئے
مرد، جب سر سے کفن باندھ کے جینے آئے — شہریاری کو پسینے پہ پسینے آئے

نبضِ آفاقیٔ ابلیسِ ہوس چھوٹ گئی
فقر کی ضرب سے شاہی کی کمر ٹوٹ گئی

۶۱
وہ لبِ فسق پہ تبلیغ نواہی نہ رہی — نشۂ کبر کی وہ مست جماہی نہ رہی
ذوقِ بیعت کی جلو میں وہ تباہی نہ رہی — تاؤ مونچھوں پہ جو دیتی تھی وہ شاہی نہ رہی

حشمِ قیصری و فرِّ کیانی نہ رہا
پیاس کی دھوپ سے تلوار میں پانی نہ رہا

۶۲
اللہ اللہ جہاں کوب حسینی اصحاب — جن کے دریائے شجاعت میں دو عالم غرقاب
اکبرؑ و ابنِ مظاہر کا نہیں کوئی جواب — وہ لڑکپن کی جوانی یہ بڑھاپے کا شباب

دونوں جاں باز تھے دونوں ہی جری کیا کہنا
مشعلِ شام و چراغِ سحری کیا کہنا

۶۳
قطرۂ دل میں لئے ایک سمندر تھے حسینؑ — ذاتِ واحد میں سمیٹے ہوئے لشکر تھے حسینؑ
دینِ آدابِ رفاقت کے پیمبر تھے حسینؑ — جان دینے کو جب آئے تو بہتر تھے حسینؑ

سر فرشتوں کے یہاں آج بھی خم ہوتے ہیں
ایسے انسان رسولوں میں بھی کم ہوتے ہیں

۶۴
حیف جس قوم کا سلطان ہو ایسا انسان — وہ رہے خستۂ پریشان معطل حیران
نہ شرر بار ترنگیں، نہ دہکتے ارمان — جس کی آنکھیں فقط آباد ہوں سینے ویران

ہمت و جرأت و ایثار و وفا کچھ بھی نہیں
ذکرِ مولا پہ کراہوں کے سوا کچھ بھی نہیں

٦٥
زندگی شعلۂ جوالہ ہے گلزار نہیں — موت کا گھاٹ ہے یہ مصر کا بازار نہیں
اپنے آقا کی تاسی پہ جو طیّار نہیں — زندہ رہنے کا وہ انسان سزاوار نہیں
جو حسینی بھی ہے اور موت سے بھی ڈرتا ہے
ہاں وہ توہینِ حسینؑ ابن علیؑ کرتا ہے

٦٦
جہلا جب کلۂ علم کو ٹھکراتے ہیں — علماء دین کو جب بیچ کے کھا جاتے ہیں
سفہا دولتِ فانی پہ جب اتراتے ہیں — جو حسینی ہیں وہ میداں میں نکل آتے ہیں
دھجیاں دامنِ دولت کی اُڑا دیتے ہیں
بادِ صرصر کو چراغوں پہ نچا دیتے ہیں

٦٧
مرد وہ ہیں، پرِ باطل جو کتر دیتے ہیں — حق جو مانگے تو دل و جان و جگر دیتے ہیں
شیر سا بھائی تو یوسفؑ سا پسر دیتے ہیں — ہاتھ بیعت کو بڑھاتے نہیں سر دیتے ہیں
آتشِ مرگ میں بے خوف و خطر جاتے ہیں
آنچ آتی ہے جو عزّت پہ تو مر جاتے ہیں

٦٨
سورما فتنۂ باطل کو دبا دیتے ہیں — خون دہکے ہوئے ذرّوں کو پلا دیتے ہیں
اپنی گودوں کے چراغوں کو بجھا دیتے ہیں — اپنے چاندوں کو اندھیروں میں سلا دیتے ہیں
مثلِ شبیرؑ جو پیغامِ عمل دیتے ہیں
ایسے ہی لوگ زمانے کو بدل دیتے ہیں

٦٩
میں یہ پوچھوں جو خفا ہوں نہ رفیقانِ کرام — کہ لرزتے تو نہیں آپ حضورِ حکام
آپ سرکار میں جھکتے تو نہیں بہرِ سلام — آنکھ شاہوں سے ملاتے ہیں بہ اندازِ امام
رائے بکتی تو نہیں آپ کی بازاروں میں
آپ کا رنگ تو اڑتا نہیں درباروں میں

(۷۰)
آپ باطل سے دبکتے ہیں تو یارانِ کرام　　آپ کو نامِ حسینؑ ابن علیؑ سے کیا کام
جایئے بیٹھئے خلوت میں علی الرّغم امام　　لُوٹیے دولتِ لب ہائے بتانِ گل فام

خود کو عشرے میں نہ مغموم بناتے پھریئے
اپنی غیرت کے جنازے کو اٹھائے پھریئے

(۷۱)
آپ کا آلِ محمدؐ سے جُدا ہے دستور　　قابلِ غور نہیں مسئلہ شرحِ صدور
آپ کا شغل ہے کوئی تو فقط کشفِ قبور　　آپ کو پیرویِ شیرِ خدا نامنظور

آپ تو شمع رہ و رسم کے پروانے ہیں
دوش پر کعبہ ہے سینوں میں صنم خانے ہیں

(۷۲)
قوم وہ قوم ہے جو عزم کی متوالی ہے　　دینِ بے رُوح فقط دین کی نقالی ہے
دل ہے غافل تو عبادت بھی بداعمالی ہے　　بے عمل قوم کی قرأت نہیں قوالی ہے

موت کے وقت کی "یٰسین" بنا رکھا ہے
دین کو آپ نے اک بین بنا رکھا ہے

(۷۳)
آپ ناواقفِ بیہوشگیِ عشرہ و عید　　آپ اک قفل ہیں اور قفل بھی گم کردہ کلید
دل ہیں خاشاک و خزف، دیدۂ تر مرواید　　دعویِ حُبِّ حسینؑ اور ہوسِ قربِ یزید

سوز خواں کے ہیں طلبگار رجز خواں کے نہیں
آپ مجلس کے مسلمان ہیں میداں کے نہیں

(۷۴)
ایک دھوکا ہے لگاوٹ میں اگر لاگ نہیں　　تو نکل آئے نہ جس راگ سے وہ راگ نہیں
قلزمِ برق کا اشکوں میں ذرا جھاگ نہیں　　حیف پانی تو ہے موجود مگر آگ نہیں

چٹکیاں لے نہ لہو میں تو جوانی کیا ہے
آگ کی جس میں نہ ہلچل ہو وہ پانی کیا ہے

کربلا اب بھی ہے اک ہوش ربا انگارا — اپنے پانی میں لئے آگ کا جولاں آرا
برق و آتش کا اُبلتا ہوا اک فوارا — ایک مڑتا ہوا خونِ شہداء کا دھارا

(۷۵)

رنگ اُڑتا نظر آتا ہے جہاں داروں کا
مینھ برستا ہے یہاں آج بھی تلواروں کا

کربلا آج بھی ہے ایک لگاتار پکار — ہے کوئی پیرویِ ابنِ علیؑ پر طیار
عصرِ حاضر میں یزیدوں کا نہیں کوئی شمار — تم مُصلّوں پہ دو زانو ہو، مُسلّح اشرار

(۷۶)

شورِ ماتم میں کہیں تیغ کی جھنکار نہیں
لب پہ نالے ہیں مگر ہاتھ میں تلوار نہیں

کربلا میں ہے وہی شعلہ فشانی ابتک — آگ کی موج ہے تلوار کا پانی ابتک
تشنگی میں ہے وہی دجلہ چکانی ابتک — منچلوں کی ہے وہی زمزمہ خوانی ابتک

(۷۷)

روئے ماحول پہ بانکوں کی وہ دھج ہے اب بھی
میرے سوئے ہوئے شیروں کی گرج ہے اب بھی

کربلا میں اثرِ باغِ جناں آج بھی ہے — بوئے انفاسِ مسیحا نفساں آج بھی ہے
حسنِ رنگینیِ خونیں کفناں آج بھی ہے — صبحِ عاشور کی گل بانگِ اذاں آج بھی ہے

(۷۸)

اِک پُراسرار خموشی ہے پُرافشاں ابتک
صبح کے دوش پہ ہے شامِ غریباں ابتک

اب بھی گو دھوپ کی شدت سے زمیں بُھنتی ہے — سوزنِ خاک شراروں کی ردا بنتی ہے
پھر بھی ذرّوں سے ہوا لعل و گہر چُنتی ہے — زندگی سیرتِ شبیرؑ پہ سر دُھنتی ہے

(۷۹)

رنگِ رخسارۂ تاریخ نکھر جاتا ہے
لب پہ جب نامِ حسینؑ ابنِ علیؑ آتا ہے

(۸۰)
کربلا اب بھی ہر وقت پہ لہراتی ہے — زلف کی طرح خیالات پہ بل کھاتی ہے
خامشی رات کو جس وقت کہ چھا جاتی ہے — دلِ زینبؑ کے دھڑکنے کی صدا آتی ہے
کبھی ظلمت میں جو کوندا سا لپک جاتا ہے
ایک قرآن بلندی پہ نظر آتا ہے

(۸۱)
اب بھی اک سمت سے اٹھتا نظر آتا ہے دھواں — بیبیاں چند کھلے سر نظر آتی ہیں یہاں
ایک گوشے میں ہے گونجی ہوئی آوازِ اذاں — اک پھریرا ہے سیہ پوش فضا پہ غلطاں
چند سائے نظر آتے ہیں خراماں اب بھی
ایک زنجیر کی جھنکار ہے لرزاں اب بھی

(۸۲)
کربلا کے رخِ رنگیں پہ دمک آج بھی ہے — اسکے ذرّے کے ہوئے شیشوں میں کھنک آج بھی ہے
کل کی برسی ہوئی بدلی کی دھنک آج بھی ہے — ایک نوشاہ کے سہرے کی مہک آج بھی ہے
کچھ گریباں نظر آتے ہیں فضا پہ اب بھی
ایک جھولا متحرک ہے ہوا پہ اب بھی

(۸۳)
کربلا سر سے کفن باندھ کے جب آتی ہے — وسعتِ ارض و سماوات پہ چھا جاتی ہے
تُندِ انفاس سے فولاد کو برماتی ہے — تبر و تیر کو خطرے میں نہیں لاتی ہے
چڑھ کے نیزے پہ دو عالم کو ہلا دیتی ہے
کربلا موت کو دیوانہ بنا دیتی ہے

(۸۴)
کربلا اب بھی حکومت کو نگل سکتی ہے — کربلا تخت کو تلووں سے مسل سکتی ہے
کربلا، خار تو کیا، آگ پہ چل سکتی ہے — کربلا وقت کے دھارے کو بدل سکتی ہے
کربلا قلعۂ فولاد ہے جراروں کا
کربلا نام ہے چلتی ہوئی تلواروں کا

۸۵ کربلا ایک تزلزل ہے محیطِ دوراں — کربلا خرمنِ سرمایہ پہ ہے برقِ تپاں
کربلا طبل پہ ہے ضربتِ آوازِ اذاں — کربلا جراتِ انکار ہے پیشِ سلطاں

فکرِ حق سوز یہاں کاشت نہیں کرسکتی
کربلا تاج کو برداشت نہیں کرسکتی

۸۶ جب تک اس خاک پہ باقی ہے وجودِ اشرار — دوشِ انساں پہ ہے جب تک حشمِ تخت کا بار
جب تک اقدار سے اغراض ہیں گرمِ پیکار — کربلا ہاتھ سے پھینکے گی نہ ہرگز تلوار

کوئی کہہ دے یہ حکومت کے نگہبانوں سے
کربلا اک ابدی جنگ ہے سلطانوں سے

۸۷ کہہ رہا ہے یہ ارے کون بہ اندازِ سروش — کہ بس امروز ہے امروز نہ فردا ہے نہ دوش
کس کی یارب یہ صدا ہے کہ فضا ہے خاموش — میں حسین ابنِ علیؑ بول رہا ہوں لے جوش

بخش دے آگ مرے سرد عزاداروں کو
ہاں! جگا ڈاب میں سوئی ہوئی تلواروں کو

۸۸ کربلا بہرِ عمل نعرہ زناں ہے اب تک — کربلا گوش بر آوازِ یلاں ہے اب تک
کربلا منتظرِ صف شکناں ہے اب تک — کربلا جانبِ انساں نگراں ہے اب تک

دادِ غم ایک بھی جاں باز نہیں دیتا ہے
کوئی آواز پہ آواز نہیں دیتا ہے